سلسلہ نمبر ۱۱

"الحامد ٹرسٹ" نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تا حال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر اِن کو شائع کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (ادارہ)

قرآن پاک

﴿ نظرثانی و عنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علی خیر خلقہ سیّدنا ومولانا محمد والہ واصحابہ اجمعین امابعد !

حسبِ ذیل مضمون میں قرآن پاک کی حقیقت کہ وہ کلامِ الٰہی ہے، اس کے نزول کی کیفیت کی ایک علمی بحث بہت اختصار سے پیش کی جا رہی ہے۔

قرآن کلام اللہ کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے ہم تک ہزاروں سے لاکھوں اور لاکھوں سے کروڑوں کو پہنچتا چلا آیا ہے۔ عربی زبان میں لفظ "قرآن" پڑھنے اور جمع کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے یعنی یہ مصدر بھی ہے اور کتاب اللہ کا نام بھی۔

(۱) قرآن کلام اللہ ہے :

سنن دارمی میں (جو مسندِ دارمی کے نام سے مشہور ہے) روایت ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا مِنْ کَلَامٍ اَعْظَمُ عِنْدَاللّٰہِ مِنْ کَلَامِہٖ وَمَارَدَّالْعِبَادُ اِلَی اللّٰہِ کَلَامًا اَحَبُّ اِلَیْہِ مِنْ کَلَامِہٖ (ص ۴۴۰ ج ۲)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے حضور میں کوئی کلام ''کلام اللہ'' سے بڑھ کر نہیں ہے اور نہیں لوٹا یا بندوں نے اللہ کی طرف کوئی ایسا کلام جو اُسے اپنے کلام سے زیادہ محبوب ہو''۔

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت جو حضرت عطیۃ بن قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نقل کی، اس میں فرمایا گیا ہے۔

مَا تکَلَّمَ الْعِبَادُ بِکَلَامٍ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ کَلَامِہٖ وَمَا اَنَابَ الْعِبَادُ اِلَی اللّٰہِ بِکَلَامٍ اَحَبُّ اِلَیْہِ مِنْ کَلَامِہٖ بِالذِّکْرِ. (درمنثور ص۳۶۶ ج ۵)

''نہیں تکلم کیا بندوں نے کسی ایسے کلام کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کو اپنے کلام کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہو، اور نہیں انابت حاصل کی بندوں نے ذکر کے ذریعہ اللہ کے حضور میں کسی ایسے کلام کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کو اپنے کلام کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہو''۔

قرآنِ پاک اور ذاتِ الٰہی :

ایک دوسری روایت میں جو بیہقی اور حاکم کے حوالہ سے تصحیح کے ساتھ نقل کی ہے، یہ بھی آتا ہے کہ اس کلام کا مصدر خود ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ یہ روایت حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی ہے، اس کا آخری حصہ یہ ہے :

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (ﷺ) اِنَّکُمْ لَنْ تَرْجِعُوْا اِلَی اللّٰہِ لِشَیْئٍ اَحَبُّ اِلَیْہِ مِنْ شَیْئٍ خَرَجَ مِنْہُ یَعْنِی الْقُرْاٰنَ .

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اللہ کا قرب حاصل نہیں کر سکتے کسی چیز سے جو اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہو بہ نسبت قرآن کے''۔

(۲) قرآن حکیم کی یہ خصوصیت ہے کہ اُس کے حروف بھی معین کر کے نازل فرمائے گئے ہیں اور عربی زبان میں اُتارا گیا ہے، ارشاد ہے ...... اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا '' ہم نے اس کو اُتارا ہے قرآن عربی زبان کا''

ارشاد ہوا : کِتَابٌ اُحْکِمَتْ اٰیاتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ.

'' یہ کتاب ہے کہ جانچ لیا ہے اس کی باتوں کو پھر کھولی گئی ہیں ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے''۔

(۳) اور کیونکہ یہ بلاشبہہ خدا کا کلام ہے اس لیے یہ بھی دعوٰی کیا گیا کہ اس جیسا کلام کوئی نہیں لاسکتا

چاہے تمام انسان اور جنات جمع ہو کر کوشش کر لیں۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا. (سُورۂ بنی اسرائیل آیة۸۸)

''کہہ اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر کہ لائیں ایسا قرآن، ہرگز نہ لائیں گے ایسا قرآن اور پڑے مدد کیا کریں ایک دوسرے کی''۔

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علی الترتیب چند علمی مباحث بتلائے جائیں مثلاً کلام الٰہی کا الفاظ میں آنا مخلوق ہے یا نہیں، کلام الٰہی کا نزول آسمان پر، کلام الٰہی کا نزول رسول اللہ ﷺ پر اور وحی کی کیفیت، پھر آخر میں ''خلقِ قرآن'' کے نام سے ایک معروف مسئلہ کا خاکہ۔

(۴)(الف) چنانچہ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن کلام خداوندی ہوا تو نازل کیسے ہوا، حروف کی شکل کیسے پیدا ہوئی کیونکہ نزول میں مثلاً کوئی چیز اُوپر سے نیچے آ رہی ہو تو حرکت ہونی ضروری ہوتی ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ حرکت سے پاک اور بلند و بالا ہے، وہ خود ہر جگہ موجود ہے۔ حرکت کی کئی قسمیں ہیں مثال کے طور پر جب انسان ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کرتا ہے کہیں آتا جاتا ہے تو یہ اُس کی ذات کی حرکت کہلاتی ہے۔

(ب) اس کے ساتھ اس کا رنگ رُوپ بھی حرکت کرتا ہے کیونکہ یہ تو کہیں نہیں ہوتا کہ انسان خود چلا جائے اور اپنا رنگ رُوپ چھوڑ جائے، لامحالہ رنگ رُوپ سمیت ہی جاتا ہے، تو یہ کہا جاتا ہے کہ انسان کے ساتھ اس کی اعراض حرکت کر رہی ہیں، رنگ رُوپ اس کی عرضیں ہیں۔

(ج) نیز جب حرکت کرتا ہے مثلاً چلتا ہے تو چلنے سے ایک خاص نقشہ کہ قدم اُٹھاتا ہے پھر رکھتا ہے پھر اُٹھاتا ہے پھر رکھتا ہے، پیدا ہوتا ہے۔ یہ خاکہ ہر قدم پر پیدا بھی ہو رہا ہے اور فنا بھی ہوتا جا رہا ہے، یہ حرکت کی تیسری صورت ہے۔

یہ تین حرکتیں آپ بہت سی متحرک چیزوں میں دیکھتے ہیں (ان کے فلسفیانہ نام علی الترتیب یہ ہیں: متحیز بالذات کی حرکت، اعراض قائمہ کی حرکت چاہے وہ اپنے موضوع کے ساتھ قائم ہوں جیسے رنگ رُوپ یعنی قارّ الذات ہوں یا قائم نہ ہوں یعنی غیر قارّ الذات ہوں جیسے چلتے وقت کا خاکہ کہ یہ سیال مترتب الاجزاء اور ممتنع البقاء ہوتا ہے)۔ اب ظاہر ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ میں یہ تمام صورتیں متصور نہیں ہوسکتیں۔ نہ تو اُس کی

ذات کو حرکت کی ضرورت کیونکہ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ اور جب ذات ہی حرکت سے منزہ ہے تو دوسری عرضی حرکتیں کہاں پیدا ہوسکتی ہیں وہ ان سے بھی بلند ہے۔

(۵) اس لیے یوں سمجھا یا جاتا ہے کہ کلام کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو متکلم کی ذات میں ہو مثلاً آپ اپنے دل میں کوئی بات کہہ رہے ہوں اُسے ''کلامِ نفسی'' کہا جاتا ہے، یہ تو منتقل نہیں ہوسکتا۔ دوسری قسم ''کلام لفظی'' کہلاتی ہے یعنی جب آپ کی زبان سے وہ کلام ادا ہو جائے تو پھر دوسرے کے کان تک منتقل ہوسکتا ہے کیونکہ وہ کلام لفظی بن گیا ہے، اس نے الفاظ کی شکل اختیار کر لی ہے۔

بس کلامِ الٰہی جو نازل ہوا وہ کلامِ لفظی ہی ہے اور یہ کلام (ماتریدیہ اور اشاعرہ کے نزدیک) حادث ہے۔

وقال شیخ زاده : وَاِنَّمَا الْمُنَزَّلُ هُوَ الْكَلامُ اللفظِيُّ الحادثُ الْمُرَكَّبُ مِنَ الالفاظِ والحروفِ الْمُؤلفةُ مِنَ الایَاتِ وَالسُّوَرِ وهو الْقُرآنُ الْمُعجزُ الْمُتَحَدّی به لِکونهٖ کَلامُ اللّٰهِ حقيقةً . عَلٰی انهٗ مخلوقٌ لِلّٰهِ تعالیٰ ليسَ مِن تَاليفِ الْمَخْلُوقِينَ .لَاعَلٰی مَعْنٰی اَنَّهٗ صِفَةٌ قَائمةٌ بِذاتِهٖ تَعَالیٰ لِاَنَّهٗ حادِثٌ وَيَمتنِعُ قِيامُ الحَوَادثِ بِهٖ تعَالیٰ .

''(شیخ زادہ مفسر قرآن فرماتے ہیں) جو چیز نازل ہوئی ہے وہ لفظی کلام ہے نو پیدا ہے اور سورتوں اور آیات کے الفاظ اور حروف سے مرکب ہے اور یہی وہ قرآن ہے جو عاجز کر دینے والا ہے جس کا چیلنج دیا جاتا ہے کیونکہ یہ حقیقت میں اللہ کا کلام ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے مخلوق کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے۔ اس معنی میں نہیں کہ یہ ایسی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اس لیے کہ یہ نو پیدا ہے اور نو پیدا چیزوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہونا ممتنع ہے''۔

ان الفاظ کے کلامِ الٰہی ہونے کا مطلب اور کیفیتِ وحی جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ حق تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے اُن حروف کی آوازیں جبرئیلِ امین کے لیے پیدا فرما دیتے تھے اور انہیں اس امر کا یقین عطا فرما دیتے تھے کہ یہی وہ عبارت ہے جو کلام نفسی قائم بذات تعالیٰ کے معنی ادا کر رہی ہے جیسا کہ بخاری شریف باب کیف بدأ الوحی میں اس قسم کو '' اَشَدُّ عَلَیَّ '' سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ستار اور ہارمونیم وغیرہ

میں بھی قریب قریب حروف پیدا ہو جاتے ہیں۔ تار والے تار کے کھٹکوں سے حروف سمجھ لیتے ہیں وغیرہ اور باری تعالیٰ تو جس طرح چاہیں جو چاہیں محض ارادہ سے پیدا فرما سکتے ہیں۔ وہ اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ ریکارڈ کی طرح پیدا فرما سکتے ہیں۔ اشاعرہ فرماتے ہیں کہ یہ عین ممکن ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات پاک کی طرح بلاکم وکیف کلام الٰہی بھی ہو اور جس طرح قیامت میں ہمیں ذات پاک کا مشاہدہ حاصل ہوگا، ملائکہ کو کلام الٰہی کا ادراک اسی طرح اب حاصل ہو۔ اشاعرہ کی بیان کردہ صورت گزشتہ صورت سے زیادہ بلند و اسلم ہے، اور اس صورت میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبرئیل سدرۃ المنتہیٰ پر اپنے مقام پر ہوں اور وہیں انہیں کلامِ الٰہی عنایت ہو رہا ہو کیونکہ یہ عطاء اور جبرئیل امین کا اس عطاء کو لینا دونوں نہایت بلند رُوحانی اشیاء ہیں۔ اس کے بعد نظم قرآنی جو اُن سے ظہور پذیر ہوتی تھی وہ کلام اللہ ہوتی تھی اور وہ کلام نفسی پر پوری طرح دلالت کرتی تھی۔

یہ وہ صورتیں ہوئیں جو علماء کرام نے کلامِ نفسی کے ظہور کی بتلائی ہیں جسے "تَلَقُّفِ مَلَكْ" کہا جائے۔ اس کے بعد علماء کرام فرماتے ہیں کہ آسمان اول پر قرآن کریم یک لخت نازل ہوا، اسے قرآن حکیم میں "اَنْزَلْنَا" کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے ارشاد ہوا : اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ پھر جبرئیل امین کا تھوڑا تھوڑا بقدرِ ضرورت لے کر نیچے آنا یہ "تَنْزِیْل" کہلاتا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے : نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ نیز ارشاد ہوا نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ اس آیت عظیمہ میں آقائے نامدار ﷺ پر قرآنِ کریم کے نازل ہونے کی اشارۃً کچھ کیفیت بتلائی گئی ہے کہ وہ قلبِ اطہر پر اُتارا جاتا تھا کیونکہ انسان حقیقتاً تمام چیزوں کا ادراک قلب سے کرتا ہے وہ ہی صوفیاء کرام کے نزدیک محل رُوح ہے (اگرچہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ملتا ہے کہ محل رُوح دماغ ہے۔ یہ قول حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فیض الباری میں دیا ہے اور آج کل کی ڈاکٹری تحقیقات کے عین مطابق ہے لیکن صوفیائے کرام کے نزدیک پہلا قول تقریباً اجماعی ہے)۔

بوقتِ وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام کا آقائے نامدار ﷺ کی رُوح مطہرہ کے ساتھ شدید اتصال ہوتا تھا جس کا اثر جسمِ اطہر پر بھی ظاہر ہوتا تھا۔ مثلاً حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنی ران پر سر مبارک رکھ رکھا تھا کہ وحی کی کیفیت ہوئی، وہ فرماتے ہیں کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ میری ران ٹوٹ جائے گی اَنْ تَرُضَّ فَخِذِیْ. اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وحی کے وقت اتنی شدت ہوتی تھی کہ

سخت سردیوں کے دنوں میں بھی پیشانی مبارک عرق ریز ہوجاتی تھی وَاَنَّ جَبِیْنَہٗ لَیَتَفَصَّدُ عَرَقًا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں چند باتوں کی طرف اور بھی توجہ دلائی جائے۔ آپ نے یہ بھی غور فرمایا ہوگا کہ جبرئیل علیہ السلام کے قرآن پاک لیتے وقت یا آسمانِ اول تک اُترنے میں اور پھر قلبِ اطہر تک پہنچانے میں کسی بھی جگہ شیطان کا گزر نہیں، اس لیے ارشاد ہوا لَا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ ط تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ۔ (پ ۲۴ سورۂ حم تنزیل السجدۃ)

آپ نے یہ بھی غور فرمایا ہوگا کہ قرآن پاک کی طرح کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی گئی، پچھلی کتابیں لکھی لکھائی اُتاری گئیں۔

اتنی مشقت میں باطل سے کتنی زیادہ حفاظت ہوگئی، اور مشقت سے اتنی عظیم چیز حاصل ہوئی ہو تو وہ کتنی محبوب ہوگی۔ اسی لیے آقائے نامدار ﷺ کو قرآن عظیم سے سب سے زیادہ محبت تھی۔ اور یہ طبع مبارک میں رچا ہوا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنَ آپ کی عادت وہ تھی جو قرآن پاک ہے۔ گویا دونوں ایک ہی چیزیں ہیں، اِسے پڑھ لو اُنہیں دیکھ لو۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں یہ فتنہ پیدا ہوا اور بفضلِ خدا ہمیشہ کے لیے ختم بھی ہوگیا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھایا کہ کلام اللہ عِلم ہے اور علم خدا کی صفت ہے وہ مخلوق نہیں ہے لہٰذا کلام اللہ بھی مخلوق نہیں ہے۔ آپ حضرات یہ بات اس طرح بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ جب آپ کسی کی کوئی بات نقل کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ فلاں صاحب نے یہ کہا تھا اُن کے الفاظ بعینہٖ یہ ہیں۔ گویا آپ نے الفاظ کی نسبت متکلم (کہنے والے) ہی کی طرف کی کیونکہ نقل کرنے والا الفاظ کی نسبت اپنی طرف نہیں کیا کرتا۔

بس یہی حال کلامِ الٰہی کا ہے کہ وہ الفاظ چاہے کسی کی زبان پر جاری ہوں خدا کے ہی ہیں۔ وہ کلام الٰہی ہے گو کسی کی زبان سے ظاہر ہو رہا ہو اور اُس کے ظہور کا ذریعہ کسی کی بھی آواز ہو اور قرآن کے الفاظ ہوں یا معنی سب کلام اللہ ہیں۔ رہا یہ امر کہ آیا پڑھنے والے کی آواز بھی قدیم ہے تو اس کے بارے میں امام احمدؒ نے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ وہ غیر مخلوق ہے بلکہ اُنہوں نے صراحت کی ہے کہ آواز پڑھنے والے ہی کی ہوا کرتی ہے۔ آواز کے قدیم ہونے کا اُنہوں نے کبھی دعوٰی نہیں فرمایا۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ یعنی قرآن پاک کو اپنی آوازوں سے مزین کرو، گویا حدیث میں آواز کی نسبت آدمی ہی کی طرف کی گئی ہے۔ البتہ امام احمدؒ نے

اس فساد کے دروازہ کو بند کرنے کے لیے دونوں باتیں کہنی منع کردی تھیں کہ اگر کوئی کہتا تھا کہ میری زبان سے قرآن پاک کے جو الفاظ نکل رہے ہیں وہ مخلوق ہیں تو اُسے بھی ناپسند فرماتے تھے اور اگر کوئی کہتا تھا کہ میری زبان سے نکلنے والے الفاظ غیر مخلوق ہیں تو اُسے بھی ناپسند فرماتے تھے۔

کچھ زمانہ گزرا تو لوگوں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا مطلب غلط لینا شروع کردیا اور کہنے لگے کہ ہماری زبان سے نکلنے والے الفاظ، قاری کی آواز بلکہ روشنائی اور ورق جب قرآن پاک لکھا جاچکے اُس وقت غیر مخلوق ہیں اور قدیم ہیں۔ یہ امام احمدؒ کے شاگرد امام بخاریؒ کے زمانہ کی بات ہے۔ لہٰذا امام بخاریؒ نے اس خیال کا رَد فرمایا اور تصریح کی کہ بندوں کی آوازیں مخلوق ہوتی ہیں۔ اس مسئلہ میں وہ خود ایک آزمائشی دَور سے گزرے جس کا قصہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب بخارا سے جلاوطن کردیئے گئے تو ان کے اُستاد محمد بن یحيٰی ذہلی نے نیشاپور بلالیا اور اپنے شاگردوں کو شہر سے باہر آکر مع اپنے حلقہ اثر کے امام بخاریؒ کا استقبال کیا اور ان سے علمِ حدیث حاصل کرنے کی ترغیب دی اور اپنے شاگردوں کو منع کردیا کہ امام بخاریؒ سے اس مسئلہ میں گفتگو نہ کریں۔

یہ سلسلہ درس چلتا رہا حتی کہ بعض فسادیوں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک دن سوال شروع کردیا کہ لفظ بالقرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دینے سے گریز کیا لیکن اس کا سوال جاری رہا تیسری دفعہ آپ نے ایک نہایت نفیس جواب دیا اَلْقُرْآنُ کَلَامُ اللّٰہِ غَیْرُ مَخْلُوْقٍ وَاَفْعَالُ الْعِبَادِ مَخْلُوْقَۃٌ وَالْاِ مْتِحَانُ بِدْعَۃٌ . امام بخاریؒ نے یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کی حرکات، آوازیں، لکھنا سب مخلوق ہیں۔ قرآن پاک جو دلوں میں محفوظ ہے غیر مخلوق ہے۔ ارشادِ ربانی ہے بَلْ ھُوَ آیات بَیِّنَاتٌ.........
لیکن ان لوگوں نے شور مچایا بات نہ سمجھنے دی اور ایک فتنہ کھڑا کردیا حتی کہ امام بخاریؒ کو وہاں سے بھی جانا پڑا۔

رحمة اللّٰه عليه رحمة واسعة

حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب مہتمم جامعہ مدنیہ جدید ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ کی سہ پہر کو بمقام 537-A فیصل ٹاؤن نزد جناح ہسپتال مستورات کو حدیث شریف کا درس دیتے ہیں۔

خواتین کو شرکت کی عام دعوت ہے۔ (ادارہ)